مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

سرمایہ داری اقبال کی نظر میں

حضرت علامہ اقبال اسلام کو پوری انسانی زندگی کے لیے اور ہر بدلتے ہوئے دور کے لیے آخری ہدایت نامہ یقین کرتے تھے۔ انھوں نے تمام نو ایجاد "ازموں" کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ہر ایک ازم کے عیب و صواب پر ان کی عقابی نظر جمی رہتی تھی۔ وہ بڑے متصلب مسلمان تھے مگر متعصب مسلمان نہ تھے انھیں جہاں کوئی عیب نظر آیا اسے عیب ہی بتایا، خواہ وہ مسلمانوں میں مقبول ہی کیوں نہ ہو اور جہاں کوئی خوبی دکھائی دی اسے خوبی ہی بتا کر پیش کیا، خواہ اہل کفر ہی میں پائی جاتی ہو۔ اسلام میں انھیں کوئی خامی کوئی کمی اور کوئی عیب نظر نہ آسکا۔ لیکن اسلام کو وہ تنگ دلانہ نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی وسعت کی حامل تھی۔ وہ اسلام کو ایک متحرک دین سمجھتے تھے اور اسے ہدایہ و شرح و قایہ میں محدود نہیں جانتے تھے۔ دنیا کی ہر گزشتہ موجودہ اور آئندہ صداقتوں کو وہ اسلام ہی کہتے تھے۔ اگر کسی غیر مسلم قوم میں کوئی صداقت ہوتی تو وہ اسے کفر نہیں بتاتے تھے بلکہ اسے اسلام ہی کا صدقہ کہتے تھے۔

حضرت اقبالؒ ان جامد و راکد مذاہب کو اسلام نہیں کہتے جو مسلمانوں کے بے شمار فرقوں نے اپنے اپنے لیے مخصوص کر رکھے ہیں۔ ان کا تصور یہ تھا کہ ہم تک جو اسلام پہنچا ہے، وہ ملوکیت، سرمایہ داری اور عجمی تصوف (ویدانت) کے زیر سایہ پہنچا ہے اور اصل اسلام پر اتنے دبیز پردے پڑتے رہے ہیں کہ آج انھیں پہچاننا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان تینوں پردوں کو انھوں نے بار بار ہٹا کر اصل اسلام کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انھوں نے ملوکیت کے پردے بھی چاک کیے، عجمی تصوف کو بھی بے نقاب کیا اور سرمایہ داری کی بھی دھجیاں بکھیریں۔ ملوکیت اور ویدانت اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع صرف سرمایہ داری ہے جس میں یہ دکھانا ہے کہ اقبال اسے کس نظر سے دیکھتے تھے۔

لیکن اس سے پہلے ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال سرمایہ داری کو اسلام کی ضد سمجھتے تھے لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ اقبال "مارکسی" تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے کارل مارکس کی کتاب "سرمایہ" پڑھی تھی اور بعض جگہ انھوں نے سرمایہ داری کا تحفظ کرنے والے مذاہب کے لیے وہی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی افیون کی گولی۔ مثلاً وہ جاوید نامے میں کہتے ہیں:

رنج بے گنج است تقدیر ایں چنیں گنج بے رنج است تقدیر ایں چنیں

(کیا اسی چیز کا نام تقدیر پر ایمان لانا ہے کہ ایک کے حصے میں کسی تکلیف کے بغیر خزانہ آئے اور دوسرے کے پاس خزانے کے بغیر صرف تکلیف ہو)

اصل دیں این است اگر اے بے خبر می شود محتاج از و محتاج تر

(اے بے خبر! اگر دین کی اصل یہی ہے تو اس سے محتاج تو اور زیادہ محتاج ہوتا چلا جائے گا)

وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا باز در خواب گراں دارد ترا

(ایسے دین پر تو افسوس ہے، جو تجھے سلادے اور اس کے بعد تیری نیند میں اور زیادہ غفلت پیدا کردے)

سحر و افسوں است یا دین است ایں حب افیون است یا دین است این

(یہ جادوگری ہے یا دین؟ یہ ایک افیون کی گولی ہے یا دین؟)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کارل مارکس سے متاثر تھے۔ اس کے باوجود وہ مارکسی نہ تھے۔ وہ خود کہتے ہیں:

رنگ و بُو از تن نہ گیرد جانِ پاک جُز بہ تن کارے ندارد اشتراک

دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس بر مساواتِ شکم دارد اساس

(روح کی بالیدگی محض مادیت سے حاصل نہیں ہوتی۔ اشتراکیت تو صرف مادیت ہی سے سروکار رکھتی ہے حق کو نہ پہچان سکنے والے کارل مارکس کا دین بس شکمی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے)

یہ دو شعر کہنے والا اقبال کبھی مارکسی تو نہیں ہو سکتا لیکن جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے اقبال کا نقطۂ نظر تنگدلانہ نہیں تھا۔ وہ نہ اس کے قائل تھے کہ مسلمان جو کچھ بھی کہیں وہ صحیح ہے اور نہ اس کے قائل تھے کہ غیر مسلم جو کچھ کہیں وہ غلط ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ کس کی بات عقلِ انسانی اور نقلِ قرآنی کے

مطابق ہے۔ انھیں کارل مارکس کی یہ بات عین روحِ اسلام کے مطابق نظر آئی کہ تمام فتنہ و فساد کی جڑ سرمایہ داری کا وجود ہے اور کارل مارکس نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے صحیح کہا ہے۔ اقبال کو اس بات کا افسوس تھا کہ یہ بات ایک مسلمان کی زبان سے کیوں نہیں نکلی؟

سرِّ ازل کہ عارف کامل بہ کس نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید (حافظ)

بہرحال اقبال یہ خوب سمجھ گئے تھے کہ سرمایہ داری کے بارے میں مارکس نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے اور اسلام اس سے بھی کہیں آگے ہے۔ وہ یہ بھی بھانپ چکے تھے کہ اس پیغام میں اتنا اندرونی زور و قوت ہے کہ یہ پھیل کر رہے گا، سرمایہ داری مٹ کر رہے گی اور دنیا آخرکار اسی معاشی نظام کو قبول کرلے گی، جسے قرآن نے ایک لفظ "انفاق عفو" میں سمو لیا ہے۔ وہ بانگ درا میں کہتے ہیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
انساں کی ہوس نے جسے رکھا تھا چھپا کر کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

اقبال کی دُور رس نگاہوں کی داد دینی چاہیے کہ کم و بیش پینتیس ۳۵ چالیس ۴۰ سال پہلے انھوں نے کس طرح بھانپ لیا کہ تقریباً پون ارب افیم خور چینی باشندے سرمایہ داری کا خاتمہ کرکے ایک نئی زبردست طاقت بن کر ابھریں گے۔ جس کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا دکھا کر تماشہ مداری گیا

بہرکیف اقبال نے یہ اچھی طرح یقین کرلیا تھا کہ جب خود مسلمان قوم نے قرآن کے معاشی نظام کو نہیں اپنایا تو قرآن بھیجنے والے نے وہی صداقت ایک حق شناس مفکر کی زبان سے ایک دوسرے انداز سے ظاہر کرادی۔ اس نے خدا کو الگ کرکے یہ بات کہی اور مسلمانوں نے قل العفو کی عینک اُتار کر اسے چالیسویں حصے میں محدود کردیا اور اسے بھی پورا نہیں کیا۔

اقبال نے یہ پوری طرح سمجھ لیا تھا کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی ساری بنیاد تصورِ ملکیت پر قائم ہے۔ حالانکہ اسلام میں انسانی ملکیت کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں۔ اسلام میں صرف تصورِ امانت ہے۔ اس لیے اقبال نے پہلے اس تصورِ ملکیت ہی پر بھرپور وار شروع کردیا۔ وہ

جاوید نامے میں کہتے ہیں :

باطنِ الارض للہ ظاہر است　　ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

(فرمانِ خداوندی الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) کا مطلب بالکل واضح ہے جو شخص اس عیاں حقیقت کو نہیں دیکھتا وہ مسلمان نہیں کافر ہے)۔

حق زمیں را جز متاعِ ما نہ گفت　　ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت

(اللہ نے زمین کو صرف متاع کہا ہے (و لکم فی الارض مستقرٌ و متاعٌ الیٰ حین) یہ متاع بھی اس نے مفت ہی دے رکھی ہے (جس چیز سے کوئی فائدہ حاصل کیا جائے اسے متاع کہتے ہیں۔ فائدہ اٹھانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی)

دِہ خدایا! نکتۂ از من پذیر　　رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

(اے جاگیردار! مجھ سے یہ نکتہ قبول کر، زمین سے اپنا رزق اور قبر حاصل کر، زمین کو اپنی ملکیت نہ بنا)

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست　　ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خدا است

(زمین سے اپنی روزی حاصل کرنا تو ٹھیک ہے لیکن زمین انسان کی صرف متاع ہے اور یہ ملکیت خدا کی ہے)

بندۂ مومن امیں او مالک است　　غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

(مومن تو صرف امین ہے اور مالک اللہ ہے۔ کیونکہ اس کے سوا جو کچھ دیکھتے ہو وہ سب فانی ہے)

اے کہ می گوئی متاعِ ما ز ماست　　مردِ ناداں ایں ہمہ مِلکِ خدا است

(اے بے وقوف انسان جو اپنی متاع کو اپنی ملک کہتا ہے، سُن کہ یہ سب کا سب خدا کی ملکیت ہے)

ارضِ حق را ارضِ خود دانی بگو　　چیست شرحِ آیۂ لاتفسدوا

(تو خدا کی زمین کو اپنی زمین سمجھتا ہے؟ بتا کہ لاتفسدوا فی الارض کے اور کیا معنی ہیں؟)

ابنِ آدم دل بہ ابلیسی نہاد　　من ز ابلیسی ندیدم جز فساد

(انسان نے اپنا دل ابلیسیت میں اٹکا رکھا ہے۔ ابلیسیت میں بجز فساد کے اور کچھ نظر نہیں آتا)

کس امانت را بکار خود نبرد　　اے خوش آں کو ملکِ حق باحق سپرد

(امانت کو کوئی اپنے قبضے میں نہیں رکھتا۔ کیا کہنے ہیں اس کے جو اللہ کی ملکیت کو اللہ ہی کے سپرد کر دیتا ہے)

بردۂ چیزے کہ از آنِ تو نیست　　داغم از کارے کہ شایانِ تو نیست

(تو اس چیز پر قبضہ جماتا ہے جو تیری نہیں۔ مجھے اس کام پر افسوس ہے جو تجھے زیب نہیں دیتا)

ملکِ یزداں را بہ یزداں باز دہ　　تا ز کارِ خویش بکشائی گرہ

(اللہ کی ملکیت اللہ ہی کے حوالے کر دے تاکہ تیرے اپنے مقصد کی بھی گرہ کشائی ہو جائے)

زیر گردوں فقر و مسکینی چراست　　آں چہ از مولاست می گوئی ز ماست

(آسمان کے نیچے یہ غربت و افلاس کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ جو چیز مولیٰ کی ہے، اسے تو کہتا ہے کہ میری ہے)۔

الارض للہ کا صحیح مفہوم وہ بانگ درا میں یوں بتاتے ہیں:

تکرار تھی مزارع و مالک میں ایک روز　　دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے زمین

کہتا تھا وہ کرے جو زراعت اسی کا کھیت　　کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں

پوچھا زمین سے میں نے کہ کس کا ہے مال تو　　بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین

مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے　　جو زیرِ آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے

اور خود دھرتی کیا ہے؟ خدا کی بے شرکت غیرے ملکیت۔ الارض للہ۔ انسان کی جتنی بھی ضروریات ہیں۔ وہ سب کی سب اسی زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ آسمان سے کوئی چیز نازل نہیں ہوتی۔ پس جب زمین اللہ کی ملکیت ہے تو زمین کی ساری پیداوار بھی خواہ کسی شکل میں ہو، اسی اللہ کی ملکیت ہوگی[1] انسان تو خود اپنے جسم و جان کا بھی مالک نہیں۔ جو خالق ہے وہی مالک بھی ہے۔

---

[1] یہ مضمون اقبال نے یوں بھی ادا کیا ہے:

دہ خدایا یہ زمین تیری نہیں میری نہیں　　تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں میری نہیں

اگر کسی غیر اللہ کو رب، خالق، رازق وغیرہ ماننا شرک ہے تو غیر اللہ کو مالک تسلیم کرنا کیوں نہ شرک ہوگا؟ ہر شے کا واحد اور بلا شرکت غیرے وہی مالک ہے۔ یہ ایک سچی حقیقت ہے جسے تسلیم نہ کرنے والا کافر و غاصب ہوتا ہے اور اسے تسلیم کرنے والا اس آیت کا مصداق ہوتا ہے:

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔

(اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے)

اگر یہ سودا نہیں ہوا تو ایمان ہی نہیں رہا اور اگر ہو گیا ہے تو ملکیت کا تصور ہی نہیں باقی رہا۔ جب جان اپنی ملکیت نہیں تو مال کہاں سے ملکیت ہو سکتی ہے؟ اور جب ہر چیز کی ملکیت کا تصور ہی ختم ہو گیا تو زمین اور زمین کی ساری پیداواریں بھی امانت ہی ہوں گی۔ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ ملکیت نہیں ہوں گی۔

اقبال نے امانت کا اور تصورِ ملکیت کی کامل نفی کا جو تصور دیا اس سے جاگیرداری اور سرمایہ داری کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے ان دونوں۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری۔ پر بھی بھرپور ضرب لگائی ہے۔ پیامِ مشرق میں وہ کہتے ہیں:

رازدانِ جزو کل از خویش نامحرم شد است　　آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شد است

(یہ انسان جو جزئیات و کلیات کا رازدان بنا پھرتا ہے، اپنی حیثیت و مقام سے بے خبر ہے اور محض سرمائے داری کی وجہ سے ایک دوسرے کا قاتل بن جاتا ہے)

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ عالم میں ہر طبقاتی کشمکش کی تہہ میں ایک ہی چیز کارفرما رہی ہے یہ کشمکش ہمیشہ سرمایہ داری اور بے مائیگی کے درمیان رہی ہے۔ جسے آج کل کی اصطلاح میں دار اور نادار کی کشمکش کہتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام اسی میں اعتدال و نظم پیدا کرنے کے لیے آتے رہے۔ صرف نماز اور روزے سے منکروں کو کیا تکلیف تھی جو وہ ہر اسلامی تحریک کو دبانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ تو اسی وقت الجھتے ہیں جب انھیں قوم شعیبؑ کی طرح یہ علم ہوتا ہے کہ یہ نماز براہِ راست ہمارے اموال پر حملہ آور ہو رہی ہے: قالوا یٰشعیب اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد اٰباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشٰؤا ط (قوم کہنے لگی کہ اے شعیبؑ! کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباو اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال

میں اپنی مرضی کے مطابق کوئی تصرف نہ کریں؟) گویا سیّدنا شعیب علیہ السلام کی نماز صرف پتھر کے معبودوں ہی سے نہیں روک رہی تھی بلکہ جس سونے چاندی کی لوگ پوجا کر رہے تھے، اس سے بھی روک رہی تھی۔ پتھر کی مورتیوں سے دستبردار ہونا ان کے لیے اتنا مشکل نہ تھا۔ ہاں سونے چاندی کی ملکیت سے دستبردار ہونا ان کے لیے مشکل ترین کام تھا۔ یہی وہ اصل بت ہے جو انسان کو انسان کے ہاتھوں قتل کراتا ہے اور اسی کو اقبال نے مذکورہ بالا شعر میں واضح کیا ہے۔

ارمغان حجاز میں اقبال بزبانِ ابلیس کہتے ہیں:

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا — میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد — جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند — کون کر سکتا ہے اس نخلِ کہن کو سرنگوں

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دین

آج بھی ایسے بندگانِ مومن کی کمی نہیں جو دین کا نام لے لے کر لامحدود ملکیت کو عین اسلام ثابت کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔

اقبال بانگ درا میں کہتے ہیں:

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر — شاخِ آہو پر رہی برسوں تلک تیری برات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ — خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار — انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اسی کتاب میں آگے چل کر کہتے ہیں:

تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا — جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:

کارخانے کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار — عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ناسازگار
حکم حق ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ — کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

یہاں اقبال نے قرآن کے اس حکم کی ترجمانی کی ہے کہ ہر انسان کو اس کی محنت کا پھل ملنا چاہیے یہ

کوئی منصفانہ نظام نہیں کہ محنت تو کوئی کرے اور پھل کوئی اور لے جائے۔ یہاں انھوں نے کارخانے کا ذکر کیا ہے لیکن جاگیرداری کی بھی بالکل یہی شکل ہے۔ کارخانے دار اور جاگیردار دونوں ہی مفت خور استحصالی ہوتے ہیں۔ دوسروں کی محنت کا ثمرہ کھینچ کر خود عیش کرتے ہیں اور محنت کش طبقے کو ایسی زندگی میں گرفتار کیے رکھتے ہیں کہ وہ نہ مر سکے نہ جی سکے اور لایموت فیھا ولا یحییٰ کی سی کیفیت میں مبتلا رہے۔ اس سلسلے میں فرمان نبویؐ بھی یہی ہے۔ من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ۔ یعنی جس کے پاس کوئی قطعۂ زمین ہو وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کے حوالے کر دے۔ حضورؐ نے یہ نہ فرمایا کہ اسے کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا بٹائی پر دے دے۔ یہ دونوں باتیں مفت خوری کی ہیں۔ اور بٹائی کو تو حضورؐ نے بالکل ربا (سود) قرار دیا ہے۔

ایک اور حدیث بھی سنیے: نھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ فقلت ما المخابرۃ؟ قال ان تاخذ الارض علی نصف او ثلث او ربع۔ حضورؐ نے مخابرے (بٹائی) سے منع فرمایا تو میں نے دریافت کیا کہ مخابرے کا کیا مفہوم ہے؟ فرمایا زمین کو نصف، تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا۔

ایک اور وعید بھی سنیے: من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ و رسولہ۔ (جو بٹائی کا کاروبار ترک نہیں کرتا وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے) یہ وہی وعید ہے جو سود خواری کے لیے قرآن میں آئی ہے۔

اس سے بھی زیادہ واضح حکم سنئے: حضرت رافع بن خدیج انصاری ایک کھیت کو سیراب کر رہے تھے کہ حضورؐ ادھر سے گزرے اور پوچھا: لمن الارض و لمن الزرع۔ (زمین کس کی اور کھیتی کس کی ہے؟) قال زرعی ببذری و عملی لی الشطر و لبنی فلان الشطر (یہ کھیتی میرے بیج اور میری کوشش کا نتیجہ ہے جس کی پیداوار میں ایک حصہ میرا ہوگا اور ایک حصہ بنی فلاں (صاحب زمین) کا۔ قال اربیتما فردّ الارض الی اھلھا وخذ نفقتک (تم دونوں سودی کاروبار کر رہے ہو لہٰذا زمین صاحب زمین کو واپس کر دو اور اپنا خرچہ وصول کر لو)۔ بٹائی کے متعلق یہ تینوں حدیثیں ابو داؤد کی کتاب البیوع میں موجود ہیں۔ بعض صحابۂ کرام رضؓ کو یہ احکام معلوم ہوئے تو انھوں نے بٹائی کا کاروبار بالکل ترک کر دیا اور کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں بٹائی کے کاروبار سے کہیں زیادہ نفع ہے۔

اقبال کی نظروں سے یہ احکام پوشیدہ نہ تھے۔ انھوں نے ارمغان حجاز میں اسی استحصال کو یوں بیان کیا ہے:

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب
انقلاب! اے انقلاب!! اے انقلاب!!!

یعنی سرمایہ دار مزدور کے خون سے اپنے لیے لعل ناب تیار کرتا ہے اور جاگیر داروں کے ظلم سے کاشتکاروں کی اپنی ہستی کی کھیتی برباد ہوتی ہے۔ اس کا علاج صرف بنیادی انقلاب ہے۔

یہی صدائے بازگشت دوسرے انداز سے جاوید نامے میں یوں ہے:

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد　　آبروئے دخترِ مزدور بُرد

(جاگیر دار، کارخانے دار محنت کش کے حصے کی روٹی بھی چھین کر کھا جاتا ہے اور اس کی بہو بیٹیوں کی عصمت بھی لوٹ لیتا ہے۔)

چیست قرآں خواجہ را پیغام مرگ　　دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

(اسی استحصال کو ختم کرنے کے لیے قرآن آیا ہے جو تمام سرمائے داروں کے لیے موت کا پیغام ہے اور بے کس، محنت کش طبقے کی دستگیری کرتا ہے)

اس استحصال کا اصل علاج تو یہ ہے کہ لوگ اپنی خوش دلی کے ساتھ اپنی تمام فاضل اور زائد از ضرورت دولت کو ان کے لیے پیش کر دیں، جن کے پاس ضرورت سے کم ہے۔ اسی کو قرآن انفاق عفو کہتا ہے۔ اقبال اسے یوں ادا کرتے ہیں:

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ　　آنچہ از حاجت فزوں داری بدہ

(قرآن مسلمان سے یہ کہتا ہے کہ اپنی جان ہتھیلی پر لیے رہو اور جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اسے دوسرے ضرورتمندوں کے لیے پیش کر دو)

پھر کہتے ہیں:

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو　　لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

(بنیا صفت انسان سے کسی خیر کی توقع نہ رکھو۔ برّ (نیکی) اس وقت تک حاصل ہی نہیں

کر سکتے جب تک اپنا محبوب مال نہ خرچ کرو۔

مطلب یہ ہے کہ ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو زرکش ہوتا ہے۔ روپے پر روپیہ کھینچا جاتا ہے اور اس کی ہوس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور کہیں اس کی ہوس میں ٹھہراؤ نہیں پیدا ہوتا۔ ایسے کنجوس سے کسی خیر کی امید ہی نہیں کی جا سکتی۔ اس کی روش ہے جمع کرتے چلے جانا اور قرآن کی تعلیم اس کی بالکل نقیض ہے۔ وہ جمع کرنے کی شدید مذمت کرتا ہے اور اس کا سارا نظام انفاق پر قائم ہے۔ جس کی آخری منزل "انفاق عفو" ہے۔ اس نظامِ انفاق کو قائم کرنے کے لیے نظامِ جمع کو توڑنا ضروری ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نظامِ سود بھی قائم رہے اور نظامِ صدقات بھی۔ اسی طرح نظامِ جمع اور نظامِ انفاق دونوں ایک ساتھ نہیں قائم رہ سکتے۔ نظامِ انفاق کے قیام کے لیے نظامِ سرمایہ داری کو ختم کرنا ضروری ہے۔ مسلمان وہی ہے جو خوش دلی اور رضاکاری کے ساتھ اپنے سرمائے کو انفاق عفو کی قرآنی ہدایت کے مطابق ختم کر دے۔ انفاق عفو کا مطلب یہ نہیں کہ اسی آن اپنی فاضل دولت کو دے ڈالے۔ اس کا مطلب ہے انفاق کے لیے مخصوص کر دینا اور اس مد میں رکھ دینا۔ ایک دن گزرنے سے پہلے اسے حق داروں میں تقسیم کر دے تو یہ بھی بعض صحابہؓ — مثلاً سیدنا ابوذر غفاریؓ — کا عمل رہا ہے۔ اگر اپنے پاس امانتِ مستحقین سمجھ کر رکھ چھوڑتا ہے تو یہ بھی بعض صحابہؓ — مثلاً سیدنا عثمانؓ — کے عمل کے مطابق ہوگا۔ یہ تو گویا ایسا ہی ہوگا جیسے بیت المال میں رکھوا دیا گیا ہو۔ سیدنا عثمانؓ بن عفان کو عثمانؓ غنی کہا جاتا ہے لیکن عام لوگوں کو اس سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ آپ بڑے امیر تھے اس لیے غنی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ غنی صرف اس لیے تھے کہ اپنی دولت سے "بے نیاز" تھے اور اس کی ناقابل تردید اور واضح دلیل آپ کی وہ سادی اور فقیرانہ زندگی ہے جو اپنے معیار میں رسولؐ اور شیخینؓ کی زندگی کے عین مطابق تھی اور ساری دولت کارِ خیر کے لیے ہمیشہ وقف رہی بلکہ خلیفہ ہونے کے بعد تو آپ کا یہ اعلان تھا کہ:

كنت اكثر العرب بعيراً وشاءً واليوم مالى ثاغية ولا راغية غير راحلتين لحجتى (طبری)

میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں والا تھا لیکن آج میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری بھی موجود نہیں۔ صرف یہ دو اونٹ ہیں، وہ بھی سفرِ حج کے لیے۔

آپ کو سرمایہ دار سمجھنا یا کہنا اتنی بڑی غلطی ہے جس سے بڑی اور کسی غلطی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ سارے مالدار صحابہ کا یہی حال سمجھنا چاہیے۔

بہرحال اقبال کے نزدیک سرمایہ داری کی ہر قسم کو یکسر ختم کرنا اسلامی نظام معاش قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ نظام انفاق عفو ہی کی بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے جو اگر خوش دلانہ امن کے ساتھ قائم ہو تو فبہا ورنہ اسی کوشش و جہاد کے لیے قرآن نے ،

با مسلماں گفت جاں برکف بنہ　　آنچہ از حاجت فزوں داری بدہ

اور اسی تصور کی ترجمانی اقبال نے ان اشعار میں کی ہے :

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو　　کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے　　کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی　　اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

یادگارِ شبلی : از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

شمس العلما علامہ شبلی نعمانی کو ہمارے ادب اور علمی و فکری تاریخ میں جو بلند مقام حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے احوالِ زندگی سیّد سلیمان ندوی مرحوم نے ۱۹۴۳ء میں حیاتِ شبلی میں جمع کیے تھے۔ تصانیف کے بارے میں وہ ایک علیٰحدہ کتاب لکھنا چاہتے تھے لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر محمد اکرام کی اس کتاب یادگارِ شبلی میں نہ صرف مکمل حالاتِ زندگی ہیں (اور اس ضمن میں وہ مواد سمیٹ لیا گیا ہے جو حیاتِ شبلی کی اشاعت کے بعد شائع ہوا یا سیّد صاحب کو کسی وجہ سے دستیاب نہ ہو سکا) بلکہ علامہ شبلی کی ہر ایک کتاب پر علیٰحدہ تفصیلی تبصرہ بھی شامل ہے

علامہ شبلی ایک جامع حیثیات ہستی تھے۔ وہ بیک وقت اعلیٰ درجے کے مصنف، معلم، مورخ، شاعر اور سیاست دان تھے۔ انھوں نے سولہ برس علی گڑھ کالج میں سرسیّد کے دستِ راست کی حیثیت سے گزارے اور علی گڑھ تحریک کے رکن رکین رہے لیکن وہ ندوۃ العلما کے بھی "جزو غالب" تھے اور علما کی تنظیم اور قدیم کی پاسداری کے لیے عمر بھر سرگرمِ عمل رہے۔ قدیم و جدید کی نسبت ان کا طریقہ خذ ما صفا ودع ما کدر کا تھا اور انھوں نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ ڈھونڈھنے کی کوشش کی۔

یادگارِ شبلی اس جامع حیثیات ہستی کی زندگی، کارناموں اور تصانیف کے طویل اور غائر مطالعہ کا ماحصل ہے۔ انشاء اللہ اس سے نہ صرف شبلی شناسی کی نئی راہیں کھلیں گی بلکہ قوم کے فکری مسائل سمجھنے اور ان کا مناسب حل تلاش کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ ضخامت ۴۶۸ صفحات۔ قیمت : -/۱۴ روپے۔

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور